دوسری و آخری قسط

سرمایہ دارانہ جمہوری نظام میں شمولیت اور ووٹ کی شرعی حیثیت

مولانا محمد احمد حافظ

آج جب کوئی شخص شعور کی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور چیزوں سوچنے اور ان کو پرکھنے لگتا ہے تو اس کے سامنے سوالات کا ایک ہجوم ہوتا ہے......انہی سوالات میں سے کچھ سوال حیاتِ اجتماعی کے نظم و نسق، اخلاقی اقدار اور مابعد الطبیعات سے متعلق ہوتے ہیں۔

بحیثیت مسلمان اگر دیکھا جائے تو جس دین کے ہم پیروکار اور ماننے والے ہیں اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ دین کامل اور مکمل ہے اور یہی دین تا قیامِ قیامت باقی رہے گا، مگر جب ہم فکر و عقیدہ کی دنیا سے باہر قدم رکھ کر عملی سطح پر دیکھتے ہیں تو عقیدہ اور عمل میں گہرا تضاد نظر آتا ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی طور پر تقریباً تیرہ سو سال تک مسلم دنیا میں خلافت قائم رہی، شریعت کا نفاذ رہا۔ لوگوں کے معاملات قرآن و سنت کے مطابق حل ہوتے رہے مگر یکایک ہم دیکھتے ہیں کہ منظر بدل گیا ہے اور ہم نے دین کو صرف فرد کی سطح تک محدود کر کے اجتماعی سطح پر ایک ایسے نظام کو قبول کر لیا ہے جو فی الواقع ہمارا اپنا نہیں بلکہ مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ اس نظام کی اپنی کونیات، تعلیمات اور مابعد الطبیعات ہیں......مجموعی طور پر ہم اس نظام کو جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں (جو کہ ڈیماکریسی کا اردو ترجمہ ہے) اس نظام کو ہم نے 1920ء سے گلے لگایا اور تمام تر قباحتوں کے باوجود اِسے اپنائے ہوئے ہیں......ہمارے خیال میں گزشتہ ایک صدی (تقریباً) کے تجربات ہمارے لیے بہت سے بنیادی فیصلوں کے متقاضی ہیں مگر ہم پھر بھی اس نظام کو اپنانے پر مُصِر ہیں۔

سردست جو اہم سوال ہے وہ یہ ہے کہ کیا جمہوریت ہی وہ واحد نظام ہے جو بنی نوع انسان کی فوز و فلاح کا ضامن ہے؟......کیا یہ واحد اور آخری حق ہے جسے اپنائے رکھنے پر ہم مجبور ہیں؟......کیا جمہوری نظام میں بار بار کی شمولیت، کئی مرتبہ کی شکستوں، تقسیم در تقسیم کا خمیازہ بھگتنے اور بھاری اکثریت کے ساتھ فتح کے باوجود منزل سے ہمکنار نہ ہو سکنے کے بعد بھی ہم اسے گلے لگائے رکھیں گے؟......اس نظام میں شمولیت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟......کیا شریعت کو معطل کر کے ہم اس نظام کا حصہ بن سکتے ہیں؟......کیا شریعت پر کافرانہ نظام کی بالادستی قبول کی جا سکتی ہے؟......یہ وہ سوالات ہیں جو آج ہر اہلِ علم کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج وقت آ گیا ہے کہ ہم ۱۹۲۰ء کے بعد اپنائی گئی سیاسی حکمتِ عملی پر از سرِ نو غور کریں اور قرآن و سنت کی طرف مراجعت کے لیے اپنے آپ کو آمادہ و تیار کریں۔

گو کہ یہ مضمون بہت تفصیل طلب اور گہری تنقید کا متقاضی ہے مگر سردست ہم چند بنیادی اُمُور پر توجہ مرکوز رکھیں گے۔ ہماری نظر میں جمہوری سسٹم کوئی غیر اقداری نظام نہیں۔ اس کی اپنی علمیات، کونیات اور مابعد الطبیعات ہیں۔ جمہوری نظام کا سرمایہ داری، انسانی حقوق، لبرل قوانین، لبرل عدلیہ اور انتظامیہ سے گہرا اور مربوط تعلق ہے۔ آیندہ سطور میں ہم اسی ربط و تعلق کو واضح کرنے اور اس پر اسلامی نکتہ نگاہ سے حکم لگانے کی طالب علمانہ کوشش کریں گے اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ **وفوق کل ذی علم علیم!!**

فرد، معاشرہ اور ریاست کا باہمی تعلق:

معاشرہ ہو یا ریاست اس کا وجود فرد کے گرد گھومتا ہے۔ فرد کو نفی کر دیں تو معاشرہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ اسی طرح محض ریاست کوئی حسّی چیز نہیں۔ انسانی دنیا کے تمام معاملات فرد کے گرد گھومتے ہیں، مثلاً صہیب ایک فرد ہے، اس کا جو تعلق عمر، طلحہ اور

عبدالرزاق کے ساتھ ہے وہ معاشرت ہے اور صہیب کا وہ تعلق جو حکمران کے ساتھ ہے ریاست کہلاتی ہے، یہ نہیں کہ فرد نہ ہو اور معاشرہ بھی قائم ہو اور ریاست بھی!...... چناں چہ فرد اگر صالح ہے، شریعت کا پابند اور دینی اقدار کا احترام کرتا ہے تو معاشرہ مذہبی ہوگا اور ریاست بھی مذہبی ہوگی۔ فرد اگر کسی مذہب کا پابند نہیں ہے بلکہ فری (FREE) یعنی ''آزاد'' ہے تو معاشرہ لبرل اور سیکولر ہوگا، اسی طرح ریاست بھی سیکولر ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی انفرادیت اور سرمایہ دارانہ انفرادیت میں شرق و غرب کا فرق ہے۔

مذہبی انفرادیت کیا ہے؟:

مذہبی انفرادیت میں بنیادی چیز عبدیت ہوتی ہے، عبدیت کا مطلب ہے کہ انسان ایک خارجی اور اَن دیکھے وجود کو اپنا الٰہ و معبود مان لے، اُس کی خواہش، منشاء اور رضامندی کے لیے اپنی ساری خواہشوں کو فنا کردے، اس کے کہے پر چلے اور منع کرنے پر رک جائے۔

سرمایہ دارانہ انفرادیت:

سرمایہ دارانہ انفرادیت یہ ہے کہ انسان کسی کا عبد نہیں بلکہ وہ آزاد (FREE) ہے۔ آزاد ان معنوں میں ہے کہ وہ جو چاہنا چاہے چاہ سکے اور جس چیز کی خواہش اس کا نفس کرے اسے حاصل کر سکے۔ خواہشات بے پناہ ہیں اور انسان کو خواہشات کی تکمیل کے لیے بنیادی طور پر جس چیز کی ضرورت ہے وہ ''سرمایہ'' ہے۔ سرمایہ ہی وہ بنیادی عنصر ہے جس کے ذریعے تمتع فی الارض اور تمتع فی الدنیا کے امکانات وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ ایک بات جو یاد رکھنے کی ہے کہ سرمایہ دارانہ عقلیت مابعدالموت سے بحث نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے نزدیک موت ہی اختتامِ زندگی ہے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ عقلیت میں زیادہ سے زیادہ سرمائے کا حصول اسی دنیا کو جنت بنانے کے سوا کچھ نہیں، اسی لیے ایک سرمایہ دار انسان کی ساری تگ و دو اور کدوکاوش کا محور محض سرمائے کا حصول ہوتا ہے، یہ بات بھی واضح رہے کہ سرمایہ دارانہ عقلیت میں جس طرح مابعدالموت کی بحث نہیں اسی طرح ماقبل پیدائش کا سوال بھی خارج از بحث ہے، مغربی فکر کے کلاسیکل مفکرین کے نزدیک انسان اسی معنی میں قائم بالذات اور اپنا خالق خود ہے۔ معروف مغربی مفکر روسو کا کہنا ہے کہ ''فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا تھا مگر وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے'' نیز اس کا خیال تھا کہ انسان ہی مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ یہاں پہنچ کر ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ تصورِ انفرادیت ''الوہیت انسان'' کا مظہر ہے۔ تہذیب مغرب کا ایک ہی کلمہ ہے...... لا الٰہ الا الانسان!

انسانی حقوق کا ماخذ:

انسانی حقوق کے تمام تر تصورات اسی سرمایہ دارانہ عقلیت سے نکلے ہین اور مغربی فلاسفروں کی اسی جاہلانہ فکر کی روشنی میں انسانی حقوق کا ٹیکسٹ تیار کیا گیا ہے۔ تہذیبِ جدید کے نزدیک ''حقوق انسانی کا چارٹر'' جسے یو این او نے اپنے ممبر ممالک پر لاگو کیا ہے یہ دورِ حاضر کا واحد اور آخری ''حق'' ہے اور ناقابلِ چیلنج ہے، اسی بنیاد پر یو این او کے تمام ممبر ممالک اس چارٹر پر دستخط کرنے کے پابند ہیں۔ یو این او کے کسی ممبر ملک میں ایسی کوئی سی بھی قانون سازی یا اجتماعی سرگرمی بروئے کار نہیں آسکتی جو حقوقِ انسانی کے چارٹر کے خلاف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حقوق انسانی چارٹر کو سرمایہ دارانہ مذہب کا نصابی صحیفہ ہونے کا درجہ حاصل ہے۔

انسانی حقوق کے تین بنیادی ارکان:

انسانی حقوق کے چارٹر کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بنیادی ارکان ہیں: (۱) آزادی (۲) مساوات (۳) ترقی۔

انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق:

(۱)　آزادی سے مراد یہ ہے کہ انسان آسمانی وحی کا محتاج نہیں اور نہ ہی انسان کو کسی مذہب کی ضرورت ہے، اس لیے کہ انسان اب ڈارک ایج (دورِ ظلمت سے نکل آیا ہے۔ اب وہ اپنی عقل کی بنیاد پر اپنے لیے خیر و شر کے پیمانے خود وضع کر سکتا ہے، وہ جو چاہنا

چاہے چاہ سکتا ہے اور جو کرنا چاہے کرسکتا ہے، کوئی مذہب، عقیدہ اور اخلاقی ضابطہ اس کی چاہت میں حائل نہیں ہوسکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان خود خدا ہے اور وہ اپنی ہی پرستش کرتا ہے۔

(۲)　　مساوات سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے برابر ہے، علم، بزرگی، مرد ہونا، استاذ یا باپ ہونا فضیلت کو کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ اسی طرح کوئی شخص کسی دوسرے سے مال کو ناحق نہیں کھاتا اور ایک دوسرا آدمی ناحق مال کھانے کو اپنے لیے روا رکھتا ہے تو سرمایہ دارانہ عقلیت میں دونوں کی حیثیت برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب الیکشن ہوتے ہیں تو تمام ووٹروں کا ووٹ یکساں ہوتا ہے، عالم و زاہد اور زانی شرابی کا ووٹ برابر تصور کیا جاتا ہے۔

(۳)　　تیسری چیز ترقی ہے، جس کا مطلب ہے کہ انسان کو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کمانے اور تمتع فی الدنیا کا حق حاصل ہے، چوں کہ انسانی حقوق کے مطابق ہر انسان آزاد ہے کہ وہ جو بھی فکر و عقیدہ رکھے (ریاست اس پر قدغن نہیں لگا سکتی) اس لیے ترقی کی اس دوڑ میں سود، سٹہ، جوا، دھوکہ، فریب، جبر و ظلم سب روا ہے، حتیٰ کہ اگر ایک عورت اپنا جسم بیچ کر زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنا چاہے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ ایسا کرے۔

جمہوریت کیا ہے؟

اب ہم آتے ہیں جمہوریت کی طرف!...... جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی سیاسی اور معاشرتی تنظیم ...... اور حقوقِ انسانی کے نفاذ کا آلہ کار ڈھانچہ ہے۔ جمہوریت ایسا تنظیمی ڈھانچہ ہے جو جبر کا ایک ایسا ماحول وضع کرتا ہے کہ فرد اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء کو ترک کر کے صرف اپنی خواہش اور سرمائے کی بندگی کرے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ جمہوری سسٹم کی ماہیت کیا ہے؟

جمہوری سسٹم کی پہلی بنیاد انتخابات ہیں، جن میں مختلف لوگ امیدوار بنتے ہیں کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبر بنیں گے۔ ریاست کے افراد انہیں مساوی بنیادوں پر ووٹ دیتے ہیں، یعنی مرد و عورت، عالم و جاہل زاہد و متقی اور چور ڈاکو زانی، شرابی سب مساوی بنیادوں پر اپنے اپنے امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں۔ امیدوار بھی انتخابات میں مساوی حیثیت میں حصہ لیتے ہیں اس لیے کہ پارلیمنٹ کا رکن ایک شیخ الحدیث بھی بن سکتا ہے اور چور اچکا، منافع خور، اسمگلر اور قاتلوں کا سرغنہ بھی رکن بن سکتا ہے...... الیکشن کے بعد جو لوگ پارلیمنٹ میں جاتے ہیں وہ پہلے ایک دستور وضع کرتے ہیں (یا پہلے سے ایک وضع شدہ دستور ہوتا ہے جو اصلاً انسانی حقوق کے تابع ہوتا ہے) پھر اسی دستور کی روشنی میں قانون سازی کی جاتی ہے۔ اس سارے عمل میں کتاب اللہ کا کوئی رول نہیں ہوتا۔

[گوکہ پاکستان کے دستور میں ایک قراردادِ مقاصد کے ذریعے پارلیمنٹ کتاب و سنت کی روشنی میں قانون سازی کی پابند ہے مگر اس حقیقت سے جائے فرار نہیں کہ قراردادِ مقاصد کی حیثیت محض ایک ''علامت'' کی ہے۔ پھر اس میں بھی آزادیٔ فرد کے تمام تصورات کو اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ بالآخر حقوق انسانی کا کافرانہ و مشرکانہ چارٹر ہی بالا دست ٹھہرتا ہے۔]

جمہوری سسٹم میں بیوروکریسی یا انتظامیہ (محکمہ جاتی افراد، پولیس، فوج) اور عدلیہ، یہ تمام حکومتی طبقے سرمایہ دارانہ تصورات اور سرمایہ دارانہ عدل کے قیام و نفاذ کے ضامن ہوتے ہیں...... یوں جمہوری سسٹم کے ذریعے سرمایہ دارانہ جبر کا ماحول پروان چڑھتا ہے جہاں ہر انسان اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ:

☆　مذہب کو اپنی اجتماعی زندگی سے نکال کر انفرادی زندگی تک محدود کردے۔
☆　عبادت الٰہی کو حتی الامکان کم وقت دے اور سرمائے کی بڑھوتری کے لیے زیادہ وقت صرف کرے۔
☆　اپنے معاشرتی تعلقات کو محدود کردے۔
☆　دینی تعلیمات کو سیکھنے کی بجائے سوشل سائنسز کو زیادہ وقت دے تاکہ وہ سرمائے کی بڑھوتری میں زیادہ بہتر انداز میں

شمولیت کرسکے۔ [دینی مدارس میں اصلاحات کے لیے مغربی ممالک کا دباؤ اور مدارس میں سوشل سائنسز کو داخل کرنے کا مطالبہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ علماء کو اور طلبہ کو بے کار محض سمجھتے ہیں اور انہیں کارآمد بنانے کے لیے اس قسم کی اصلاحات پر زور دیتے ہیں]

اس تفصیل کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جمہوریت اپنے ماخذات کی بنیاد پر اسلام سے مکمل طور پر متصادم اور باطل نظریہ و نظام ہے، اس نظام میں حصہ لینا، ووٹ دینا اور لینا مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر حرام ہے:

جمہوریت عبدیت کا انکار ہے:

جمہوری حکومت کی پہلی بنیاد حاکمیتِ عوام ہے، جمہوریت کی تعریف ہی یہ ہے: Goverment of the people by the people for the people. یعنی ''عوام کی حکومت عوام کے ذریعے عوام پر''...... یہ جمہوریت کا پہلا بنیادی اصول ہے۔ جو کھلا کلمۂ کفر ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اقتدار کے انکار کے علاوہ انسان کی بندگی کا بھی انکار ہے۔ دوسرے لفظوں میں حاکمیتِ انسان کا مطلب انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف)

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص)

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ احداً (الکھف)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (الیوسف)

ان آیات کے علاوہ بھی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہی حکم و حکومت کے سزاوار ہے۔ قانونِ شریعت میں انسان اللہ کا بندہ اور خلیفہ ہے، اسے یہ حق نہیں کہ خود خدا بن بیٹھے۔ بہر حال ان آیات کی روشنی میں جب ہم جمہوری عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل قباحتیں سامنے آتی ہیں:

جمہوریت شرک فی الحکم ہے:

مقنن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، انسان عبد ہونے کے ناطے اس بات کا پابند ہے کہ وہ قوانینِ شریعت کو بلا چوں و چرا تسلیم کرے اور ان پر عمل درآمد کرے۔ انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ خود قانون ساز بن کر بیٹھ جائے اور حاکمیتِ الٰہ میں شریک ہو جائے۔ ایسا کرنا شرک فی الحکم ہے۔ (یہ بات یاد رہے کہ یہ بات شرک جب ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود و الٰہ بھی مانتا ہو، اگر وہ حاکمیتِ انسان کا یہ مطلب لے کہ ذات باری تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں وہ خود ہی حاکم ہے تو یہ دہریّت ہے جیسا کہ اکثر مغربی ممالک میں اسی بات کا تصور پایا جاتا ہے)

قرآن مجید میں شرک کے بارے میں فیصلہ ہے کہ:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان. ۱۳) ''بے شک شرک ظلم عظیم ہے''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاء (النساء۔۱۱۶)

''بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

جمہوریت انسانوں کو یہ حق فراہم کرتی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعے اپنی حاکمیت کو قائم کریں، پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے بھیجیں جو مفاد عامہ کے مطابق قانون سازی کریں، چناں چہ یہ عمل شرک ہونے کے سبب باطل ہے۔

الٰہی نظام سے بغاوت کا سرچشمہ:

الف: جمہوری قوانین کے ماخذ انسانی حقوق کے چارٹر میں انسانوں کا پہلا حق آزادی (Freedom) کو تسلیم کیا گیا ہے۔ آزادی کا یہ حق انسانی حقوق کا بہت خاص حق ہے اور ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ آزادی (اللہ تعالیٰ سے بغاوت، راہِ بندگی سے فرار) کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ آزادیٔ رائے، آزادیٔ اظہار، آزادیٔ مذہب وعقیدہ، آزادیٔ نسواں اور کئی دیگر قسم کی آزادیوں کو اس ایک فارم میں سمودیا گیا ہے۔ چناں چہ جمہوری پارلیمنٹ میں جو بھی قانون سازی کی جاتی ہے وہ آزادی کی تمام اقسام کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے، ہم یہ بتا آئے ہیں کہ انسانی حقوق کے چارٹر میں انسانوں کو دی گئی آزادی کا مطلب انکارِ بندگی کے سوا کچھ نہیں۔

قرآنی فکر کے مطابق انسان آزاد نہیں ہے، وہ بندہ ہے اللہ وحدہ لاشریک کا، چنانچہ اسے حکم ہے کہ وہ اسی کی بندگی کرے، بندگی بھی ایسی جس میں غیر اللہ کی بندگی کا شائبہ بھی نہ ہو۔

وَمَآاُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھاً وَّاحِداًلَآاِلٰہَ اِلَّا ھُوَسُبْحَانَه عَمَّایُشْرِکُوْن

''انہیں صرف ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

وَمَآاُمِرُوْٓا اِلَّالِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَاءَ (البیّنه:۵)

''اور نہیں حکم دیئے گئے مگر یہ کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں اس کی خالص طاقت کے ساتھ بالکل یکسو ہوکر''۔

اسی طرح قرآن مجید میں دیگر کئی مقامات پر اپنی بندگی کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے، قرآنی احکام کے بعد کہیں اس بات کی گنجائش نہیں کہ اسلام کے دائرے سے ہٹ کر کسی دوسرے نظام کی طرف اور کسی قسم کے ''ازم'' کی طرف نگاہِ التفات بھی کی جائے۔ انسان کو اگر آزاد اور تصور کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رب کا بندہ نہیں رہا تو شیطان کا بندہ ہے، اس لیے کہ ہستی موجود میں دو ہی صورتیں ہیں انسان اللہ کا بندہ ہو یا شیطان کا!

ب: انسانی حقوق کا دوسرا رکن مساوات (EQVALITY) ہے۔ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔ مرد وعورت، عالم وجاہل، بدکار و نیکو کار ایک ڈاکو اور متقی انسان سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ اسی معنی میں ہر انسان کا ووٹ برابر ہے، ہر انسان پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا اہل ہے اور ہر انسان ترقی کے عمل میں شریک ہوسکتا ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی چارٹر کے مطابق تمام انسان قانون کی نظر میں برابر ہیں، جبکہ اسلام میں مساوات کا ایسا کوئی تصور نہیں۔ اسلام مرد اور عورت میں فرق کرتا ہے۔ وہ ذمّی اور معاہد میں فرق کرتا ہے وہ عالم اور جاہل میں فرق کرتا ہے، اسلام ہر شخص کے ہر موضوع پر رائے دینے کا قائل نہیں۔ مرد بیک وقت چار شادیاں کرسکتا ہے عورت نہیں۔ مرد طلاق دیتا ہے عورت نہیں۔ جمہوریت کا نصابی صحیفہ ''انسانی حقوق کا چارٹر'' ہر انسان کو حق دیتا ہے کہ وہ اپنے لیے جیسا چاہیں خیر وشر کا پیمانہ تجویز کرسکتے ہیں۔ قرآن ان تمام تصوراتِ مساوات کو رد کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے...... **ورفعنا بعضم فوق بعض درجات (الآیة)...... لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل (الآیة) ...... لایستوی اصحاب النار واصحاب الجنة (الآیة)...... ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (الآیة)** ...... چنانچہ مساوات کی مندرجہ بالا فکر اسلام سے مکمل طور پر متصادم اور باطل ہے۔

(۳) انسانی حقوق کے چارٹر کا تیسرا بنیادی رکن ترقی (PROGRESS) ہے۔ چوں کہ سرمایہ دارانہ علمیت کے پاس موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں اس لیے انسان کی تمام تگ ودو کا محور یہی دنیوی زندگی ہے۔ چناں چہ انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنے اور سامانِ تعیش حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس معنیٰ میں ترقی کا مطلب سرمائے کی بڑھوتری بڑے بڑھوتری کے عمل کو تیز تر کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ بینک، اسٹاک ایکسچینج اسی بڑھوتری اور حرص وحسد کے فروغ

کے ادارے ہیں تکاثر کا عمل دہرایا جاتا ہے، سود، سٹہ، جوا، دھوکہ فریب اور ٹیکسز سرمایہ دارانہ معیشت کا خاص ہتھیار ہیں۔ ان اداروں سے وابستہ افراد کی زندگی کا محور و مقصد محض پیسہ ہوتا ہے اور وہ ہر اس طریقے کو اختیار کرتے ہیں جس کے ذریعے سرمایہ اکٹھا ہو سکے۔

اسلام اس طرز فکر کو مکمل رد کرتا ہے۔ قرآن مجید دنیوی زندگی کو اس معنی میں اہمیت نہیں دیتا کہ انسان لذات کے حصول اور خواہشات نفس کی تکمیل میں لگ کر اپنے مقصدِ اصلی کو بھول جائے۔ اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی ہوس میں مبتلا ہو جائے، بلکہ وہ دنیوی زندگی کو لہو ولعب، دھوکہ وفریب قرار دیتا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِعْلَمُوْا اَنَّما الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَلَھْوٌ وَزِیْنَۃٌ وَتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ. کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرَاہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَاماً وَفِی الآخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَمَغْفِرَۃٌ مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْر. (الحدید:۲۰)

''جان رکھو! دنیا کی زندگی......لہو ولعب، زینت اور مال اولاد کے معاملے میں باہمی تفاخر و تکاثر ہے (اس کی) مثال بارش کی ہے، جس کی اپجائی ہوئی فصل کافروں کے دل موہ لے پھر وہ بھڑک اٹھے اور تم اسے زرد دیکھو اور پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور آخرت میں ایک عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔''

تکمیل دین کا انکار:

قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہے: **الیوم اکملت لکم دینکم، اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** ......اکمالِ دین اور اتمام نعمت کے بعد کافرانہ نظام حکومت کو اپنی اجتماعی زندگی کا حصہ بنانا اور اس پر مداومت اختیار کیے رکھنا تکمیل دین اور اتمام نعمت کا انکار ہے۔ تکمیل دین و اتمام نعمت کا مطلب ہی یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آغاز ہونے والے دینِ اسلام کا سلسلہ تدریجی مراحل طے کرتا ہوا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اپنے اوج کمال کو پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی آخرت کتاب ہدایت نازل کردی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا۔ ہمارے نزدیک عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث مبارکہ **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** کا عین مصداق تھا۔

تمام مسلمانوں کے لیے دین اسلام کی صورت میں ایک خاص طریقہ اور ضابطۂ حیات متعین کردیا گیا ہے۔ اب اس ضابطے سے باہر نکلنا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِہٖ نُوْحاً وَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوْا الدِّیْنَ وَلَاتَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ، کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَاتَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ. (الشوریٰ.۱۳)

''اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی ہدایت اس نے نوح کو فرمائی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق گزر رہی ہے جس کی طرف تم نے ان کو دعوت دے رہے ہو۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْن (الجاثیہ. ۱۸)

''پھر ہم نے تم کو ایک واضح شریعت پر قائم کیا تو تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔''

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے طریقۂ زندگی، ضابطۂ حیات، دائرۂ کار خواہ

انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاملات قانون شریعت ہی ہے، اس سے انحراف کی راہیں تلاش کرنا اور کسی دوسرے طریقۂ زندگی کو پسند کرنا جائز نہیں، ایسا کرنا بہت بڑا خسارہ ہے۔

ہمارے خیال میں سرمایہ دارانہ نظام میں شمولیت اختیار کرنے اور اس پورے نظام کو اس طرح اپنے اوپر حاوی کر لینا کہ شریعت معطل ہو جائے، احکام دین کھلم کھلا پامال ہونے لگیں اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا جانے لگے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہندو ہو جائے عیسائیت قبول کر لے یا بدھ مت اختیار کر لے، اس لیے کہ جمہوری نظام کو قبول کرنے اس پر مداومت اختیار کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ شریعت اب چند اجزاء مثلاً عبادات کے علاوہ قابل عمل نہیں رہی اور خلافت کا ادارہ بحالتِ موجودہ نا قابلِ قیام ہے۔ ظاہر ہے یہ فکر اور طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں سند قبولیت حاصل نہیں کر سکتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مَنَ الْخَاسِرِيْنَ (آل عمران: ۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔''

آخرت کی نامرادی اور خسارہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت بھی ایک دوسری جگہ ارشاد فرمادی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً (النساء: ۱۱۵)

''اور جو کوئی راہِ ہدایت واضح ہو چلنے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اس کے بعد اس کو اسی راہ پر ڈالیں گے جس پر وہ پڑا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

جمہوری نظام کفار کا طرز حکومت وسیاست ہے چناں چہ غیر سبیل المؤمنین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت آچکنے کے بعد کوئی دوسری راہ اختیار کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے مؤمنین کے راستے سے الگ راہ نکالنا اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے اور شرک ہر طرح کی برائیوں کا منبع ہے کیونکہ مشرک اللہ سے کٹ کر اپنی باگ شیطان کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہے اور جو شخص اپنی باگ شیطان کے ہاتھوں میں تھمادے وہ معاشرے کا بدترین انسان ہوتا ہے۔ غیر سبیل المؤمنین کے شرک ہونے کا قرینہ اگلی آیت ہے جس میں مذکورہ آیت (ومن یشاقق الرسول الخ) کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے۔

اِنَ اللهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيغفر مادون ذالک لمن يشاء ومن يشرک بالله فقد ضل ضلالاً بعيداً (النساء: ۱۱۶)

''بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے نیچے جس چیز کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

اکثریتی بنیادوں پر فیصلوں کا باطل فلسفہ:

جمہوری سسٹم میں فیصلوں کی بنیاد کتاب اللہ، علم وحکمت نہیں بلکہ اکثریت جس چیز کو چاہے اس چاہت اور خواہش کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جس امیدوار کو زیادہ ووٹ مل جائیں خواہ کس قدر کرپٹ آدمی ہو مگر دوسری طرف کوئی شریف امیدوار تھا اور اہل آدمی بھی ہے تب بھی مقابلے میں چوں کہ پہلا شخص زیادہ ووٹ لے چکا ہے اس لیے وہی کامیاب کہلائے گا۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں بھی قوانین اکثریت کی بنیاد پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کا انعقاد بہت بڑی گمراہی اور ضلالت

ہے، پھر اکثریت بڑی جہلِ مرکب ہو اس کی گمراہی ضلالت میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔ یہ اکثریت جب پارلیمنٹ میں مفاد عامہ کے لیے قوانین مرتب کرے گی تو اپنی افتادِ طبع، نفسانی خواہشات اور جہالت کی بنیاد پر کرے گی۔ چناں چہ زنا کا فروغ، سودی کاروباری کا استحکام اس پارلیمنٹ کا خاص وظیفہ ٹھہرتا ہے (جیسا کہ ہم حقوقِ نسواں بل دیکھتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے محض اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کو رد کیا ہے اور اکثریت کی پیروی کو ضلالت وگمراہی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (الانعام:۱۱۶)

''اور اس زمین والوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اگر تم نے ان کی بات مانی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔''

آیت کریمہ میں صرف اکثریت کو رد نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں یہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی کہ ان کے فیصلے محکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے بلکہ وہ ظن وتخمین سے کام لیتے اور ہوا میں تیر چلاتے ہیں...... بھلا ایسے لوگ بھی ملت کی قیادت وسیادت کے لیے اہل ہوسکتے ہیں؟...... پھر اکثریت کو کسی ایک جگہ قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ہی عہد کو بار بار بدلتے رہتے ہیں اور یہ فساق وفجار کی خاص نشانی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں کس خوبی سے اس بات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ، وَاِنْ وَجَدْنَا اَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِيْنَ (الاعراف:۱۰۲)

''اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی، ان میں سے اکثر بدعہد ہی نکلے''۔

دورِ نبوت اور دورِ صحابہ وتابعین میں بھی کبھی اکثریت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کیے گئے۔ ذخیرۂ احادیث میں بھی ہمیں کوئی ایک حدیث نہیں ملتی جس میں اکثریت کے فکر ونظر اور فیصلوں کو سراہا گیا ہو اور اکثریت کو بطورِ اصول قبول کیا گیا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثریت کا فلسفہ باطل، گمراہی اور فسق وفجور کے سوا کچھ نہیں۔

تقسیم اور پارٹی بازی:

اسلام دین توحید ہے، وہ امت کو وحدت کا عقیدہ ونظریہ دیتا ہے، اسلام کے نزدیک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں وہ ایک جسم کی مانند ہیں، قرآن مجید نے مسلمانوں کو، خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، شرق میں رہتے ہوں یا غرب میں سب کو ''امت واحدہ'' کا عقیدہ دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (المؤمنون:۵۲)

''بے شک تمہاری امت ہی ایک امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکیٰ عضو تداعی لہ سائرا الجسد بالسطر والحسنیٰ (مسلم)

''مسلمانوں کی مثال باہمی مودت ومرحمت اور محبت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہوجاتا ہے۔''

اسی کے ہم معنی صحیحین کی حدیث ہے: **المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا**

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔''

ان آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وحدت امت، اتحاد واتفاقِ امت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک

کتنا اہم ہے۔ وحدتِ امت گویا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مصدر ہے۔ اور جو شخص اس وحدت کو ختم کرنے کے درپے ہو اس کے لیے شدید وعیدیں ہیں۔

ایک طرف دین اسلام کا یہ حکم ہے دوسری طرف تقسیم، پارٹی بازی اور گروہ بندی جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہے۔ کامیاب جمہوریت وہی تصور کی جاتی ہے جہاں حزب اقتدار کے مقابلے میں ایک مضبوط حزب اختلاف بھی ہو۔ یہ حزب اختلاف ایک پارٹی پر مشتمل ہوسکتی ہے اور کئی پارٹیوں کا مجموعہ بھی۔ بعینہ یہی صورت اقتدار کی ہوسکتی ہے، ہر پارٹی کے اپنے نظریات اور اپنے اہداف ہوتے ہیں۔ جمہوری سسٹم میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں حقوق کی سیاست کر رہی ہوتی ہیں۔ حقوق کی سیاست کا مطلب اغراض کی سیاست ہے مثلاً ایک قوم پرست جماعت محض اپنی قوم کے مفادات کی سیاست کرتی ہے وہ اپنے دائرۂ کار میں دوسری قوم کو شامل نہیں کرتی، لسانی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقہ یا جماعت کے لیے کام نہیں کرتی۔ مذہبی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقہ یا جماعت کے مفاد کے لیے ہرگز کام نہیں کرتی۔ چوں کہ اغراض سب کی جدا جدا ہوتی ہے اس لیے ہر چند افراد کا گروہ اپنی ایک جماعت بنا کر سرگرم ہو جاتا ہے، یوں تقسیم در تقسیم کا یہ عمل بڑھتا چلا جاتا ہے، آج ہم اس کے بھیانک نتائج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں، سیکولر اور قوم پرست جماعتوں کی ہم بات نہیں کرتے ہاں علماء کی جماعتیں ہی کئی کئی گرہوں میں بٹ گئیں۔ جمہوری سسٹم میں مسلسل شمولیت کی وجہ سے اہل دین کی قوت بکھر گئی، ان کا رعب اٹھ گیا، وہ اجتماعی موقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آواز اٹھاتے ہیں تو صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے، ان کے جائز مطالبات کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا، فاسق وجابر حکمران اتنے جری ہو چکے ہیں کہ مسجدیں میں شہید کر دیں۔ معصوم طلبہ اور حیاء وعفت کی پیکر طالبات کا قتل عام کریں مجاہدین کو تہ تیغ کریں، جہاد کو دہشت گردی قرار دیں...... مجاہدین اسلام کو پکڑ پکڑ کر بگرام، گوانتاناموبے اور ملک کے کونے کونے میں قائم عقوبت خانوں اور اذیت گاہوں کو آباد کریں...... انہیں کھلی چھوٹ ہے۔

جمہوری ریاست میں پارلیمنٹ کا کردار:

پارلیمنٹ جمہوری ریاست کا وہ ادارہ ہے جہاں عوام ووٹ کے ذریعے اپنے نمایندوں کو بھیجتے ہیں تاکہ وہ ان کی نمایندگی کرتے ہوئے ان کے مفاد میں قانون سازی کریں۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ مگر اصلاً پارلیمنٹ سرمایہ داری کے نفاذ کا ادارہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اداروں کی اسی کے ذریعے نمو ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ میں وہی قانون سازی کی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ مذہب وعقیدہ سے مطابقت رکھتی ہو، اگر عوامی خواہش اس کے برعکس ہو تو اس کی مزاحمت کی جاتی ہے بصورت دیگر اس پورے نظام کی بساط ہی لپیٹ دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم صوبہ سرحد کی گزشتہ حکومت کے حسبہ بل کے ضمن میں دیکھتے ہیں یا جیسے الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی کامیابی کے باوجود پورے نظام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ ارکان پارلیمنٹ مقنن یا قانون ساز ہوتے ہیں اور یہ قانون سازی مذہب سرمایہ داری کے نصابی صحیفے انسانی حقوق کے چارٹر کے دیئے گئے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتی ہے۔ قرآن وسنت اور اجماع امت کو حوالہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ قرآن وسنت کے علی الرغم قانون سازی ہوتی ہے۔

یوں دیکھا جائے تو حکم اور حکومت کے وہ تمام اختیارات جو اللہ رب العزت کو سزاوار ہیں وہ ارکان پارلیمنٹ اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں اور خود خدا بن بیٹھتے ہیں۔ حقوقِ نسواں بل، سود کے حق میں گزشتہ حکومت کے فیصلے، عائلی قوانین، اور کئی دیگر ظالمانہ استبدادی قوانین ارکانِ پارلیمنٹ کی اسی الوہیت کے مظہر ہیں۔ قرآن کریم اور سنت میں اس قسم کی قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں خصوصاً جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر مقنن بھی بن بیٹھے، یہ ایمان واسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے، قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

۱۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَن لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہ (یوسف:۴۰)

''اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو''۔

۲۔ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰہ (آل عمران۔۱۵۴)

''تحقیق سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے''

۳۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَن یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّة (آل عمران۔۷۹)

''کسی بشر کی شان نہیں کہ اللہ اس کو کتاب، قوتِ فیصلہ، اور منصب نبوت عطا فرمائے''۔

ایک طرف قرآن حکیم کی آیات محکمات ہیں دوسری طرف ارکان پارلیمنٹ کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں قانون بنا دیں خواہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت میں ہی کیوں نہ ہو...... یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹ ہماری نظر میں:

☆ کتاب اللہ کے استرداد کا مرکز ہے۔
☆ انسانوں کی حاکمیتِ اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کا مظہر ہے۔
☆ کافرانہ و مشرکانہ اقتدار کا منبع ہے۔
☆ فحاشی و عریانی، زنا و شراب اور اباحیت زدہ معاشرے کے تحفظ اور فروغ کا ادارہ ہے۔
☆ سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کی اداراتی صف بندی کرنے کا مرکز ہے۔

یہ ہم نے جمہوریت کے بارے میں چند اصولی باتیں ذکر کی ہیں اور سرمایہ دارانہ مذہب کے چند اساسی نظریات کا تجزیہ کیا ہے، ابھی ہم نے بہت سی تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے۔ ابھی جمہوری ریاست کی عدلیہ کا کردار بھی زیر بحث نہیں لایا جا سکا جو سرمایہ دارانہ عدل کے قیام کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ جب سرمایہ دارانہ عدل کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد ظلم ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ سرمایہ دارانہ مذہب جس چیز کو عدل تصور کرتا ہے اسلام کے نزدیک وہ عین ظلم ہے جیسے نظریۂ آزادی اور جس چیز کو اسلام عدل قرار دیتا ہے سرمایہ دارانہ مذہب اسے ظلم قرار دیتا ہے مثلاً اسلامی احکام جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا، شراب پینے پر کوڑے لگانا وغیرہ...... اسی طرح فوج، پولیس، بیوروکریسی، اسٹاک ایکسچینج اور بینکنگ سسٹم کو بھی زیر بحث نہیں لایا جا سکا۔

دراصل یہ پورا سسٹم تفصیلی تجزیے اور محاسبے کا متقاضی ہے اور یہ کام طویل دورانیے کا ہے۔ ان شاء اللہ توفیق الٰہی آیندہ بھی اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا جائے گا۔ سردست جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے اس کے مطابق سرمایہ داری جمہوریت، انسانی حقوق کا چارٹر، کفر مطلق، شرک، ضلالت و گمراہی، بغاوت الٰہی اور بدترین ظلم و تعدی کا مجموعہ ہے۔ ہم نے اس نظام کو اسی طرح کفر مطلق کہا ہے، جس طرح یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، اور سکھ مت کفر مطلق ہیں۔ اسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد اب ہمارے لیے آسان ہو گیا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی خامہ فرمائی کر سکیں۔

ووٹ کیا ہے؟:

ووٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک رائے، شہادت اور مشورہ ہے...... اوّلاً ہمیں یہ رائے تسلیم کرنے میں تامّل ہے، ووٹ نہ رائے ہے نہ شہادت اور نہ ہی مشورہ...... ثانیاً اگر یہ سب مان بھی لیا جائے تو پچھلی تفصیل کو تسلیم کرنے کے بعد ووٹ دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ووٹ دینے والا اپنی طرف سے ایک نمایندہ بھیج رہا ہے جو کفر مطلق جمہوریت میں شرکت کرے، پارلیمنٹ کا ممبر بن کر شرک، بغاوتِ الٰہی اور ظلم و تعدی کا مرتکب ہو۔ کیا اسلام میں اس بات کی گنجائش ہے کہ کوئی شخص مذکورہ منکرات کے ارتکاب کے لیے رائے اور گواہی دے اور کیا ایسی گواہی اور ایسا مشورہ جائز امر کے ضمن میں آئے گا یا حرام کے زمرے میں؟...... ظاہر ہے شریعت اسلامیہ میں ایسی کسی گواہی اور مشورے کی گنجائش نہیں...... ایسی رائے، گواہی اور مشورہ سب باطل ہیں...... اس کا ارتکاب کرنے والا عنداللہ مجرم ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر کہا جائے کہ اہل اور دیانت دار شخص کو ووٹ دیا جائے تو بھی وہ دیانت دار شخص جائے گا تو اسی کافرانہ جمہوری سسٹم میں!......اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر بالفرض ہمارے ہاں ہندومت غالب آجائے اور مندر کو پارلیمنٹ کی حیثیت دے دی جائے اور اعلان کیا جائے کہ مندر ہی آیندہ تمام سیاسی ومعاشرتی سرگرمیوں کا مرکز ہوگا اور مسلمان بھی اس مندر کے ممبر بننے لگیں، اپنی عبادات کے علاوہ پوجا پاٹ کے نظام کو قبول کرلیں اور پروہت بننے میں فخر محسوس کریں تو جس طرح اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں اسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی بھی گنجائش نہیں۔مندر میں بتوں کی پوجا کی جاتی ہے جبکہ پارلیمنٹ میں انسان اپنی بندگی کرتا ہے یا سرمائے کی بندگی، جیسے مندر ہندومت کے عملی اظہار کی جگہ ہے اسی طرح پارلیمنٹ مذہبِ سرمایہ داری (جو کفر مطلق ہے) کے اظہار کی جگہ ہے۔ تو جس طرح پنڈت پروہت بننے کی اسلام میں قطعی گنجائش نہیں اسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی گنجائش کیوں کر نکالی جاسکتی ہے؟

ووٹ مشورہ ہے نہ شہادت:

ہماری نظر میں نہ مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے نہ شہادت کی بلکہ سرمایہ دارانہ نظم میں جس طرح انسان اپنی آزادی کا اظہار سرمائے کے ذریعے کرتا ہے اسی طرح وہ اپنی آزادی کا اظہار ووٹ کے ذریعے بھی کرتا ہے۔ووٹ کے بارے میں وہ اپنے سرچشمۂ قوت، منبعِ اقتدار واختیار ہونے یعنی اپنا خدا خود ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

☆　پھر اگر ووٹ کو بالفرض مشورہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو کیا یہاں مشورہ سے متعلق جتنی بھی اسلامی تعلیمات ہیں وہ یہاں پائی جاتی ہیں؟ ووٹنگ میں بلاقیدِ جنس ومذہب ہر شخص حصہ لے سکتا ہے، کیا اسلامی نکتۂ نگاہ سے مشورہ ورائے ہر شخص سے لیا جاسکتا ہے؟ مثلاً کہیں اسلامی ریاست میں کسی جگہ قاضی مقرر کرنا ہو تو کیا اس کام کے لیے صرف علماء وصلحاء اور اتقیاء سے مشورہ لیا جائے گا یا ان کے ساتھ بھنگی چرسی، زانی، شرابی، ڈاکو کو بھی مشورے میں شامل کیا جائے گا؟......یا مثلاً کہیں بیماریوں کی آفت آگئی ہے اور وہاں ماہر ڈاکٹروں کی اشد ضرورت ہے تو اس کے لیے ماہر ڈاکٹروں سے ہی مشورہ لیا جائے گا یا قصائیوں، نائیوں اور طبلہ سارنگی بجانے والوں کو بھی مشورے میں شامل کیا جائے گا؟

اسلام نے تو مشورے کے بارے میں خاص تعلیمات دی ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کس طرح عمل کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اجمعوا له العابدين من امتي واجعلوه بينكم شوریٰ ولاتقضوا برأي واحد (روح المعاني)

''اس کے لیے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ طے کرلو، کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔''

اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہاء وعابدین کا لفظ آیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہیے جو فقہاء یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور عبادت گزار ہوں۔صاحبِ روح المعانی نے لکھا ہے کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں ہے بلکہ بے علم، بے دین (یعنی فساق وفجّار) لوگوں میں دائر ہوگا اس کا فساد اس کی صلاح پر غالب رہے گا۔

☆　اگر ووٹ کو گواہی تسلیم کیا جائے تو کیا یہاں گواہی کی شرائط اور حدود وقیود موجود ہیں؟ مثلاً گواہ عادل ہو، بالغ ہو، شریف ہو، بایں معنی کہ پنج وقتہ نمازی ہو، حلال وحرام کو جانتا ہو، یہاں بیش تر اکثریت ایسی ہے، جو طہارت اور نماز کے بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں۔فقہاء نے درج ذیل اشخاص کی گواہی ناقابل قبول قرار دی ہے:

(۱) نماز روزے کا عمداً تارک ہو، (۲) یتیم کا مال کھانے والا (۳) زانی اور زانیہ (۴) لواط کا مرتکب (۵) جس پر حد قذف لگ چکی ہو (۶) چور ڈاکو (۷) ماں باپ کی حق تلفی کرنے والا (۸) خائن اور خائنہ......

☆ اگر کہا جائے کہ ووٹ ایک امانت ہے سوال ہوگا کہ یہ امانت بندوں کو کس نے تفویض کی؟ آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئی یا جمہوریت نے تفویض کی؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں کہا گیا کہ جب تمہیں امیر مقرر کرنا ہو تو سب لوگ مل کر ووٹ ڈالا کرو، نہ ہی سنت سے اس عمل کی کوئی توثیق ملتی ہے۔ ہاں! جمہوریت کی تفویض کردہ امانت ہوسکتی ہے مگر باطل امانت ہے، یہ ایسی ہی امانت ہے کہ جیسے کوئی شخص شراب کی بوتل آپ کے پاس بطور امانت رکھنے آئے تو کیا آپ اس بوتل کو دیکھتے ہی توڑنے کے درپے ہوں گے یا حفاظت سے رکھنے کی کوشش کریں گے؟

بعض لوگ بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں اور ووٹ کو بیعت کا قائم مقام قرار دیتے ہیں ووٹ بھلا بیعت کے قائم مقام کیسے ہوسکتا ہے؟ بیعت سمع وطاعت کی بنیاد پر ہوتی ہے، وہاں تسلیم کرنے کے سوا دوسرا راستہ نہیں جبکہ ووٹ آزادی کے اظہار کا ذریعہ ہے یہاں آپ آزاد ہیں کہ چاہیں تو مسلم لیگ کو ووٹ دیں چاہیں تو پی پی پی کو چاہیں تو کسی دیانت دار شخص کو ووٹ دے دیں۔

ووٹ کے حوالے سے چند دیگر عملی مسائل بھی ہیں مثلاً:

ووٹروں کی اکثریت اپنے ضمیر کی آزادی کے مطابق ووٹ نہیں دے پاتی، وہ اگر کسی امیدوار کو غلط اور نااہل سمجھتا ہے تو وہ اپنی پارٹی کی رائے، قبیلے کے فیصلے یا برادری کی حمایت کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے کہ اسی نااہل شخص کو ووٹ دے (یہ جبر سرمایہ دارنہ نظام کا اندرونی تضاد ہے)

مختلف سیاسی جماعتیں آپس میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ بھی کرتی ہے اس صورت میں ووٹر اپنی مختلف سیاسی جماعتیں آپس میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے پاسدار ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مذہبی جماعت نے مسلم لیگ ق کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی، ق لیگ بلاشبہ علماء خصوصاً لال مسجد کے معصوم طلبہ وطالبات کی قاتل جماعت ہے مگر جہاں اس مذہبی جماعت کے ووٹر موجود ہیں اور ق لیگ کا امیدوار کھڑا ہے تو اس کے ووٹر ق لیگ کو ووٹ دینے کے پابند ہوتے ہیں۔

☆ ووٹوں کی خرید وفروخت بھی ہوتی ہے، بھاری رقوم خرچ کرکے لوگوں سے ووٹ خریدے جاتے ہیں۔

☆ ووٹوں کے حصول کے لیے بھاری اخراجات کرکے باقاعدہ مہم چلائی جاتی ہے، اس مہم پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں جو اسراف وتبذیر کے زمرے میں آتے ہیں۔

☆ ووٹوں کے حصول کے لیے مخالفین پر بدترین اور شرمناک الزامات لگائے جاتے ہیں، اس سلسلے میں تمام اخلاقی قدروں اور معاشرتی تقاضوں کو یکسر پامال کردیا جاتا ہے۔

☆ الیکشن کے دوران خفیہ اداروں کی مداخلت اب کوئی مخفی بات نہیں ہے، حکمران ٹولہ آیندہ اپنی مرضی کا سیٹ اپ لانے کے لیے خفیہ اداروں کے ذریعے ایسا جال بچھاتا ہے کہ نتائج میں بس انیس بیس کا ہی فرق ہوتا ہے۔

☆ یہ بات بھی اہل نظر سے مخفی نہیں کہ بالادست قوتیں اپنے من پسند امیدواروں کو جتوانے کے لیے دھمکی، دھونس سے کام لینے کے علاوہ خفیہ طور پر بیلٹ بکس میں اضافی ووٹ ڈلوادیتی ہیں، بہت سے فوت شدہ لوگوں کے شناختی کارڈ استعمال کیے جاتے ہیں۔

ان تمام امور کے ہوتے ہوئے ووٹ کو شہادت، امانت اور مشورہ قرار دینا بہت بڑی خطا اور نہایت غلط روش ہے، جن علماء نے ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے اسے مشورہ، امانت اور شہادت ہونے کے فتاویٰ جاری فرمائے ہیں غالباً انہوں نے اس پورے نظام کا گہری نگاہ سے مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ وہ ضرور اس قسم کے فتاویٰ صادر کرنے سے اجتناب کرتے۔

ووٹ استبدادی نظام کی توثیق وتائید کا ذریعہ ہے:

ہماری نظر میں ووٹ دینا مشرکانہ نظام ریاست وسیاست کے قیام واستحکام کا ذریعہ ہے، یہ شرک کے ارتکاب اور کفر کی تائید کے علاوہ ظلم واستبداد کی حکومت کی حمایت کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ (الآیہ)

قرآن مجید میں انہی لوگوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا ہے گیا جو اپنے ایمان کو شرک وظلم سے آلودہ نہیں کرتے۔ چناں چہ ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اولٰئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ (الانعام:۸۲)

''جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن وچین ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

موجودہ صورت حال میں کیا کیا جائے؟:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ **لایلدغ المؤمن من جُحْرٍ واحد مرتین**......کہ مؤمن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا......الیکشن ایسا سوراخ ہے کہ پوری قوم بارہا مرتبہ جمہوری سانپ سے ڈسی گئی ہے، متعدد بار کے تجربات سے واضح ہو چکا ہے کہ اب من حیث الامت ہمیں اس تماشے سے اجتناب برتنا ہوگا، ہمیں اس طریق کار کی طرف پلٹنا ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا، جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف امت نے جس پر تعامل فرمایا یہ راستہ دعوت وتبلیغ اور جہاد وانقلاب کا راستہ ہے اور یہی سبیل المؤمنین ہے۔

اپنے مسلمان بھائیوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ الیکشن کے دن جمہوری تماشے میں ووٹ کے ذریعے شرکت کرنے کی بجائے اپنے گھروں اور مسجدوں کو لازم پکڑلیں، اس دن جبکہ فسق وفجور اور کذب وافتراء کا بازار گرم ہوتا ہے اور شیطانی اعمال اپنے عروج پر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور نوافل ادا کر کے اپنے انفرادی اور اجتماعی گناہوں کی معافی مانگی جائے، اپنی کوتاہیوں، لغزشوں اور خطاؤں کو یاد کر کے ان کی تلافی کا عزم کیا جائے، امت کے حقیقی رہنما مجاہدین فی سبیل اللہ اور مصلحین امت کی کامیابی وکامرانی کے لیے خوب خوب دعائیں مانگی جائیں، خلافت وامارت اسلامیہ کے قیام ودوام اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگی جائیں۔ جہاں کہیں مظلوم مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے یا مجاہدین اسلام اپنی لازوال قربانیاں جہاد کے میدانوں میں پیش کررہے ہیں ان کی نصرت کی توفیق اور ان کی کامیابی کے لیے خلوص دل سے دعائیں مانگی جائیں اس بات کی دعا بھی مانگی جائے کہ یا اللہ ہمارے سروں پر مسلط باطل نظاموں کا عذاب دور فرما، ظالم حکمرانوں کی رسّی کو کھینچ لے، اہل حق کی مدد فرما اور ہمیں صالح، عادل اور منصف مزاج حکمران عطا فرما۔ آمین یارب العالمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه وصل اللّٰھم وسلم وبارک علی محمد النبی الامی وعلیٰ اٰلِهٖ وصحبهٖ اجمعین.

تحفظ ختم نبوت کانفرنس
12 مارچ 2008ء
بروز بدھ، بعد نماز عشاء
جامعہ فاروقیہ صوت القرآن ٹرسٹ
اُسامہ کالونی جلال پور پیروالا
0301-7441334
ابن امیر شریعت حضرت پیرجی
سیّد عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
سرپرست جامعہ ہذا
الداعی قاری عبدالرحیم فاروقی نقشبندی امیر مجلس احرار اسلام تحصیل جلال پور پیروالا (ملتان)